# دکن میں اردو زبان وادب
# ابتدائی شعری اور نثری نمونے

۱۲۹۵ء میں علاؤالدین خلجی اپنی فتوحات کے دروازے دکن کی اور کھولنا شروع کرتا ہے اور یہ سلسلہ ان کی وفات یعنی ۱۳۱۶ تک برابر جاری رہا۔ علاوالدین کا سپہ سالار ملک کافور فتح کی علَم لے کر مدورائی اور تنجور تک پہنچتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا داخلہ دکن میں دولت آباد سے شروع ہوتا ہے جہاں اس کی زد میں مراٹھی، تلگو کنٹر اور تمل زبانیں آجاتی ہیں۔

دہلی کے شہنشاہوں کا دکن کے ساتھ شغف اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ۱۳۲۷ میں محمد تغلق اپنا دارالسلطنت تغلق آباد (دہلی) سے منتقل کر کے دولت آباد لے جاتا ہے۔ اگر چہ سیاسی سطح پر اس عمل کو دیوانگی کہا گیا لیکن اس کے بہت ہی دُور رس لسانی اور ادبی نتائج برآمد ہوئے اور امیر خسرو کی زبان دہلی دکن کے دور دراز علاقوں میں رابطے کی زبان کی حیثیت سے پھیل گئی۔ اسی دوران سلطنت دہلی کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں ایک خودمختار ریاست یعنی سلطنت بہمینہ کی بنیاد پڑھ گئی جس کا مرکز پہلے دولت آباد (مراٹھی) اور بعد میں گلبرگہ (تلگو) بنادیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد گولکنڈہ اور تلگو بولنے والے دیگر کئی علاقے بہمنی سلطنت کے زیرنگین آئے اور اس طرح زبان دہلی تین زبانوں یعنی مراٹھی، تلگو اور کنٹر پر فاتحین کی زبان کی حیثیت سے مسلط ہوگئی خاندانی مماثلت کی بنیاد پر مراٹھی زبان نے زبان دہلی سے عربی فارسی کے الفاظ قبول کئے اور مراٹھی سے پراکرت کے کئی ایسے الفاظ جن کے سرشتے شمالی ہند کی بولیوں سے جاملتے تھے آسانی سے زبان دہلی میں جاملے۔ کنٹر اور تلگو ہند آریائی سے بالکل مختلف ہے لہٰذا ان کا اثر بہت کم رہا البتہ تحریری زبان میں کہیں کہیں چند الفاظ یا محاورات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

**دکن اور اُردو ادب:**

دکن میں کئی خودمختار سلطنیں وجود میں آئیں جنھوں نے اردو کی ترقی و ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ بہمنی سلطنت کے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد دکن میں تصنیف و تالیف کا کام شروع ہوگیا اور اس کے بعد قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں شاہی سرپرستی میں اردو زبان نے بڑی تیزی سے ارتقائی منزلیں طے کرلیں۔ اردو کی ہمہ جہت ترقی کی وجہ یہ بھی تھی کہ دکن کے لوگ فارسی سے بےاعتنائی برتتے تھے جس کی وجہ سے اردو کی طرف ان کی رغبت ایک قدرتی امر ثابت ہوا اور دکن کی اردونوازی نے بھی دکن میں اردو کی اشاعت کے لئے راستے ہموار کردیئے۔

**بہمنی عہد:**

قدیم دکنی اردو کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ دکن میں اردو کے اولین نمونے بہمنی دور سے ہی ملنے شروع ہوئے تھے۔ اس تمام عرصے میں اردو زبان میں اب اتنی سکت پیدا ہوگئی تھی کہ اسے ادبی سطح پر استعمال کیا گیا تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اردو تصنیف و تالیف کا زیادہ تر کام بہمنی سلطنت کی سرپرستی میں صوفیائے کرام نے انجام دیا۔ حقیقت میں دکن میں

اردو کے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے لئے ماحول ہی سازگار تھا کیونکہ شاہان دکن کی فطرت میں ادب نوازی تھی اس لئے اس زبان کو تقویت پہنچانے کے لئے انھوں نے دل کھول کر اس کی سرپرستی کی۔

دکنی اردو میں ادب کے ارتقا کا جائزہ لینے کے لئے ہم اس کو کئی ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور صوفیانہ ادب پر مشتمل ہے اور لسانی نقطۂ نظر سے اہمیت کا حامل ہے اور اس کا زمانہ بہمنی سلطنت کے خاتمے تک پھیلا ہوا ہے۔ بہمنی سلطنت کے خاتمے پر دو خود مختار سلطنیں بیجاپور اور گول کنڈہ میں قائم ہوگئیں۔ بیجاپور میں عادل شاہی حکومت قائم ہوگئی اور گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت رائج ہوگئی۔ ان دونوں ریاستوں میں اردو ادب کو بادشاہوں کی سرپرستی مل گئی اور اس طرح اردو کی زبان و ادب کی ترقی کے راستے کھل گئے۔ اسی ترقی کو ہم دکنی اردو کا دوسرا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ تیسرا دور مغل دورِ اقتدار کا ہے۔ جس میں اردو کی ترقی کے لئے ہر سطح پر تعمیری کام شروع ہوگیا۔

دکن کے ابتدائی ادب میں دکنی تہذیب کا رنگ صاف صاف نظر آتا ہے جس میں ہندوستانیت کی گہری چھاپ تھی۔ اردو اگر چہ اپنے مرکز سے دور تھی لیکن اس کی سرپرستی کرنے والے وہ بادشاہ تھے جو خود مختار حکومتیں قائم کر کے مست و مدہوش ہونے کے بجائے فن، ادب، معاشرت اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی الگ راہ بنانا چاہتے تھے، یہ بادشاہ اگر چہ ہندوستان سے باہر کی قوموں سے تعلق رکھتے تھے لیکن مقامی ہندی گھرانوں میں شادی کر کے انھوں نے ہندوستان سے گہرے رابطے قائم کئے تھے۔ دہلی کے بادشاہوں کی نسبت یہ بادشاہ عوام کی زندگی سے زیادہ قریب تھے اور چونکہ یہ مطلق العنان حکومتیں تھیں اسلئے سب کچھ بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھا، بادشاہ کو جو علوم و فنون پسند تھے عوام میں اسی کا رواج ہونے لگا دکن کے بادشاہوں نے خود بھی اردو میں لکھنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا اور اس طرح دکن میں اردو ادب کا فروغ ہونے لگا۔

**عادل شاہی عہد:**

بہمنی سلطنت کے ختم ہوتے ہی عادل شاہی خاندان نے اپنی آزاد سلطنت قائم کی جس کی قیادت آٹھ عادل شاہی بادشاہوں نے کی جو تقریباً سبھی علم و ادب کے دلدادہ تھے اس دور میں سب سے اہم نام میراں جی کا ملتا ہے جو تصوف اور قابلیت کی بنا پر شمس العشاق کے نام سے مشہور ہوگئے۔ انھوں نے اردو زبان کی پیروی میں کئی تخلیقات منظر عام پر لائیں جن کے مطالعے سے اس زمانے کی اردو زبان کے متعلق اہم معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ شمس العشاق صوفی منش تھے اس لئے ان کی تصنیفات میں حیات و کائنات کے پیچیدہ مسائل کا بیان ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی زبان کو خود ہندی کہا ہے جس میں عربی اور فارسی کا غلبہ نہیں ہے۔ ان کی تصنیفات میں ''شہادۃ الحقیقت''، ''خوش نامہ''، ''خوش نغز'' اور شرح مرغوب القلوب مشہور و اہم ہیں۔

ان کے بعد دکنی ادب کا دوسرا بڑا نام برہان الدین جانم کا ہے جو شمس العشاق کے صاحبزادے ہیں۔ انھوں نے بھی اردو زبان کی زبردست خدمت کی ہے حالانکہ اپنی زبان کو کہیں گجری اردو کہتے ہیں اور کہیں دکنی کہتے ہیں۔ انھوں نے نظمیں زیادہ کہی ہیں۔ جن میں تصوف کے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان کی تصنیفات میں ''سکھ مہیلا'' ''وصیت الہادی'' ''ارشاد نامہ'' مشہور ہیں۔ ان کی نثری تخلیقات میں ''کلمۃ الحقائق'' ایک معروف نثری کارنامہ ہے۔ اردو زبان کی پیروی میں شمس العشاق کے خاندان کا

کردار بہت اہم ہے ان کے صاحبزادے برہان الدین کے بعد اُن کے پوتے امین الدین اعلیٰ نے اردو زبان کی خدمت میں اپنا سارا وقت صرف کیا۔ انھوں نے نثر اور نظم دونوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اگرچہ موضوعات کے انتخاب میں اپنے اسلاف کے راستے پر ہی چلے لیکن زبان کے اعتبار سے ان کی تخلیقات میں زیادہ نکھار اور ستھرا پن ملتا ہے۔ ''محبّ نامہ'' اور ''رموز السالکین'' ان کی مشہور کتابیں ہیں اور نثر میں ''گنج مخفی'' اور ''وجودیہ'' اہم تخلیق مانی جاتی ہیں اُن کے بعد خدا نما، شاہ محمد قاری، سید میران حسینی وغیرہ نے اردو زبان کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا۔

عادل شاہی دور میں کچھ عادل شاہی حکمران اردو میں ہی لکھتے پڑھتے تھے خصوصاً ابراہیم عادل شاہ ثانی نہ صرف دکنی زبان سے شغف رکھتے تھے بلکہ ہندوستان کے فنِ موسیقی سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کی مشہور تصنیف ''نورس'' ان کی موسیقی پروری کے ساتھ ساتھ اُن کی اردو شناسی کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ نورس تصنیف کرنے سے پہلے انھوں نے شمالی ہندوستان سے علما کو بلایا ان کی نگرانی میں اس زبان کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد یہ کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب کا دیباچہ فارسی کے ایک مشہور شاعر ظہوری نے لکھا ہے اور ڈاکٹر نذیر احمد نے بعد میں ابراہیم عادل شاہ کی اس تصنیف کو ''نورس'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کے مطالعے سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ سولھویں صدی میں ہندو مسلم تہذیب ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھیں۔ ابراہیم عادل شاہ کے بعد محمد عادل شاہ تخت پر بیٹھے وہ طبعیتاً بڑے رنگین اور ادب نواز تھے۔ شاعروں سے اُن کو بڑی دلچسپی تھی۔ رستمی ان کا محبوب شاعر تھا جس نے محمد عادل شاہ کی بیوی کی فرمائش پر ایک طویل نظم لکھی کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ فارسی کی ایک طویل نظم کا ترجمہ ہے لیکن رستمی نے اسے اتنے دلکش انداز میں پیش کیا ہے کہ یہ انہی کی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ اسی دور میں ملک خوشنود نے ہشت بہشت اور عبدل نے بادشاہ کی تعریف میں ایک مثنوی ''ابراہیم'' لکھی مقیمی نے چندر بدن و مہیار لکھی۔ غرض محمد شاہ عادل کے زمانے میں دکنی اردو فارسی اور ہندوی اثرات کے ساتھ ارتقا کی طرف بڑھتی رہی۔ ۱۲۵۶ء میں علی عادل شاہ ثانی نے سلطنت سنبھالی اس وقت بیجا پور کے سب سے اہم شاعر نصرتی کا کافی چرچہ تھا۔ نصرتی نے تین مثنویاں لکھیں ہیں۔ جن کے نام ''گلشن عشق''، ''علی نامہ'' اور ''تاریخ سکندری'' ہیں۔ پہلی دو مثنویاں بہت مشہور ہو گئیں۔ یہ دونوں مثنویاں ایران کی کلاسیکی مثنویوں کے طریقے پر لکھی گئیں ہیں اس کے علاوہ ''علی نامہ'' جس میں انھوں نے علی عادل شاہ ثانی کی سرگذشت حیات بیان کی ہے ایک معیاری تصنیف قرار دی گئی ہے۔ نصرتی کی ''علی نامہ'' اردو کی بہترین تخلیقات میں شامل ہے۔ یہ ادبی اہمیت کے ساتھ ساتھ تاریخی اہمیت کی بھی حامل ہے۔

بیجا پور کے اہم شعراء میں ہاشمی کا نام بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اُن کی مشہور تصنیف ''یوسف زلیخا'' ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار اشعار شامل ہیں۔ ہاشمی کی زبان بہت صاف و شیرین تھی انھوں نے بعض مقامات پر عورتوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ رائے بن گئی ہے کہ ہاشمی ریختی کا موجد ہے۔

### قطب شاہی عہد:

بیجا پور کے ساتھ ساتھ دوسری طرف گولکنڈہ بھی اردو زبان کے ہمہ جہت فروغ میں سرگرم رہا ہے۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی خاندان نے ۱۵۰۸ء میں ایک خود مختار حکومت قائم کی اور اس حکومت کی منظّم بنانے کے لئے اس خاندان سے وابستہ لوگوں نے اہم

کردار ادا کیا۔ قطب شاہی دور آٹھ بادشاہوں پر مشتمل ہے تقریباً سبھی فرمانرواؤں نے اردو زبان کی آبیاری کی لیکن آخر کے چار بادشاہ خود بھی شاعروں کے سربراہ ہوئے قلی قطب شاہ، قطب شاہی خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا جو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر قرار پایا۔ قلی قطب شاہ نے ایک لاکھ سے زائد اشعار کہے ہیں جن میں سے زیادہ تر دکنی اردو میں ہیں۔قلی قطب شاہ کی شاعری میں مقامی رنگ جھلکتا ہے انھوں نے ہندوستانی زندگی کے رنگا رنگ حسن اور ماحول میں ڈوب کر شاعری کی ہے۔

محمد قطب کے خاندان میں گولکنڈہ کے تین آخری بادشاہ اچھے شاعر گذرے ہیں اُن کا بھتیجا محمد قطب اور بیٹا عبداللہ قطب اچھے شاعر تھے اُن کا مجموعہ کلام بھی دستیاب ہے۔

**قطب شاہی عہد کے شعرا وادباء:**

قطب شاہی عہد کے درباری شعرا میں وجہی غواصیؔ، ابن نشاطیؔ، طبعیؔ، قطبیؔ، جنیدیؔ اور امینؔ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ وجہیؔ اسی دورِ حکومت کے ایک مایہ ناز شاعر اور معتبر نثر نگار ہو گذرے ہیں۔ وجہیؔ فارسی کے شاعر تھے اور اپنی معروف شعری تخلیق قطب ''مشتری'' کی وجہ سے دکن کی ادبی فضا پر چھائے۔''قطب مشتری'' میں ایک طرف فارسی اور عربی الفاظ کی کثرت ہے تو دوسری طرف سنسکرت کے تت سم اور تد بھو لفظوں کی کمی نہیں ہے۔ شاعرانہ نقطۂ نظر سے قطب مشتری دکن کی چند اہم مثنویوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ ''قطب مشتری'' کے علاوہ وجہیؔ کی معرکتہ آلارا نثری تصنیف ''سب رس'' ہے جس میں تصوف کے پیچیدہ مسائل تمثیل کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد دکنی ادب کا دوسرا اہم نام غواصی کا ہے ان کی حیثیت قطب شاہی دور میں ملک الشعرا کی تھی۔ ان کی مشہور ومعروف تصانیف ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' اور ''طوطی نامہ'' ہیں۔ ''سیف الملوک'' ہندی اور اردو دونوں رسم الخط میں چھپی ہے جبکہ طوطی نامہ صرف اردو میں چھپی ہے۔قطب شاہی دور کا ہی ایک اہم ممتاز شاعر ابن نشاطی تھا جو اپنی مثنوی ''پھول بن'' کے لئے دکنی ادب کی فضا پر مانند خورشید درخشاں ہے۔ مثنوی ''پھول بن'' کو دکنی اردو کے خزینہ ادب کا ایک انمول رتن سمجھا جاتا ہے۔ ''پھول بن'' داستان محبت ہے جس کا پس منظر ہندوستان ہے۔ظاہر ہے بیجاپور اور گولکنڈہ میں درباری سرپرستی نے کئی اعلیٰ شاعر وادیب پیدا کئے اسلئے اردو کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دکنی اردو جو اس وقت کی کھڑی بولی کے ادبی اظہار کا آلہ تھی ہندوستانی زبانوں کے خزانے میں ایک بیش بہا اضافہ کر چکی تھی، یہ صحیح ہے کہ دکنی ادب پر فارسی کا بھی اثر تھا لیکن قومیت کی جو لہر مغلوں کے زمانے میں شمالی ہند سے اُٹھ رہی تھی اس کی ترقی ادبی شکل میں جنوبی ہند میں ہو رہی تھی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں ایسی بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں ہندوستان کی سماجی زندگی کا عکس ملتا ہے۔ ہندوستان کی قدیم داستان کی بنیاد پر آزاد کہانیاں لکھی گئیں جن میں ''طوطی نامہ'' چندر بدن ومہیار، پدماوت اور منوہر مدھو مالتی مشہور ہیں۔ ان تمام کہانیوں میں ہندوستان کی تہذیب کا گہرا رنگ ملتا ہے یعنی ان کہانیوں میں زندگی کا حسن بھی ہے اور شاعرانہ لطافت بھی۔ سترھویں صدی کے اواخر میں اردو زبان گجرات اور میسور کے کچھ حصوں میں پہنچ گئی۔ گجرات میں بہاؤالدین باجن دوہوں کی وجہ سے مشہور ہو گئے اس کے علاوہ خوب محمد چشتی نے ادبی نقطۂ نظر سے کافی نام کمایا۔ ان کی مثنوی ''خوب ترنگ'' ایک معروف ادبی کارنامہ ہے اسی طرح میسور اور پنجاب میں بھی اردو زبان کی خوب قدر دانی ہوئی ہے۔ قطب شاہی دور کا آخری بادشاہ ابوالحسن قطب شاہ تھا۔

## دکن میں اُردو ادب کا نیا دور:

۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب کے ہاتھوں قطب شاہی دور کا خاتمہ ہوا۔ اس عہد میں دکن نے اردو کے کئی انمول موتی پیدا کئے جن میں وجدیؔ، ولیؔ دکنی، داؔود اور عاجزؔ وغیرہ بقائے دوام حاصل کر چکے۔ ولیؔ تاریخی اعتبار سے ایک ایسا نام ہے جس کے بغیر دکنی اردو نامکمل ہے اُن کو اس زمانے کی اردو شاعری کا باوا آدم کہا گیا ہے۔ دکن کے وہ سب سے بڑے شاعر تھے اور انہی کی وجہ سے شمالی ہند میں اردو شاعری کے پژمردہ کنول کھل اُٹھے۔ ولیؔ کا دیوان جب دِلی پہنچا تو یہاں کی ساری ادبی فضا پر چھا گیا۔ ان کے دیوان کو مشہور فرانسیسی عالم گارسان وتاسی نے بھی فرانس سے شائع کیا۔ ولیؔ نے اردو شاعری کی تقریباً سبھی اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ البتہ غزل کے لئے اُن کی طبیعت زیادہ موزون تھی۔ دِلی کے فارسی گوشعرا نے جب ولیؔ کی شاعری کا مطالعہ کیا تو اُن کو یہ احساس ہو گیا کہ اپنی زبان میں شاعری زیادہ دلچسپ اور موثر ثابت ہوسکتی ہے۔ ولیؔ نے عشق مجازی اور عشق حقیقی کے ملے جلے جذبات واحساسات کو اپنی شاعری کا اہم موضوع بنایا ہے۔ اُن کے جذبۂ عشق کی وسعت ان کی شاعری میں تصوف کی باریکیاں پیدا کرتی ہے۔

اسی دور کے دوسرے بڑے اور اہم شاعر قاضی محمود بحری تھے۔ اُن کی مثنوی ''من لگن'' اُن کے صوفیانہ خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ بحریؔ بیجاپور کے رہنے والے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے اقتدار میں آنے کے ساتھ ہی وہ حیدرآباد چلے گئے اور شعر گوئی میں مصروف ہوگئے۔ ان کی زبان قدیم دکنی زبان ہے حالانکہ اس کے ہمعصروں کی زبان بدل چکی تھی۔ ''من لگن'' کئی بار شائع ہو چکی ہے جس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ بحریؔ نے ''من لگن'' کی شرح فارسی میں ''عروس عرفان'' کے نام سے لکھی ہے۔ ان کے ایک شاگرد نے اس کو نثر میں ''ارت من لگن'' کے نام سے پیش کیا ہے۔ اس کے بعد سراج اورنگ آبادی تیسرے بڑے شاعر ہو گذرے ہیں۔ وہ حسن پرست شاعر تھے اپنی مثنوی ''بوستان خیال'' کی وجہ سے کافی مشہور ہو چکے ہیں۔ عہد شباب میں ہی مجذوبانہ کیفیت میں گرفتار ہوگئے۔ ساٹھ برس تک اسی کیفیت میں رہے جب یہ کیفیت ختم ہوگئی تو صوفیوں اور فقراء کی صحبت میں رہنے لگے اور ساری زندگی اسی طرح بسر کر لی۔ ان کی متعدد مثنویاں اہمیت حاصل کر چکی ہیں لیکن ''بوستان خیال'' میں ان کی انفرادیت الگ سے جھلکتی ہے۔ سراج کی زبان بھی جنوبی ہند کے مقابلے میں شمالی ہند کی اردو سے زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے اس کے بعد بالترتیب دکن میں شعراء وادبا کی ایک خاصی تعداد ابھری جو اردو زبان کی ترقی کیلئے سرگرم عمل رہے۔